شوکت سبزواری کی لسانی خدمات کا تنقیدی جائزہ

A Critical Review of Shaukat Sabz Wari's Linguistic Contributions

Ghulam Farid

M.Phill-Urdu, EST Govt. Elementary School, Sarwaya Pndigheb, Attock

farid90385@gmail.com

KEYWORDS

Shaukat Sabzwari
Urdu Linuist
Grammatical
Intellecual
Dastan-e-Zaban-e-Urdu
Phonology
Morphology
Methodological
Dhaka

DATES

Received	**5--11-2025**
Accepted	**19-11-2025**
Published	**31-12-2025**

QR CODE

ABSTRACT

Shaukat Sabzwari was a prominent Urdu linguist, critic, and researcher who earned wide recognition in the Urdu world for his significant contributions to Urdu linguistics, grammatical studies, and the historical evolution of the Urdu language. His deep commitment, intellectual passion, and analytical insight into linguistics became evident with the publication of his seminal doctoral thesis, The Evolution of the Urdu Language, which was completed at the University of Dhaka in 1956. Although originally written as a PhD dissertation, the scholarly depth and clarity of its linguistic discussions elevated it to a foundational text in Urdu linguistics.Sabzwari's approach combined historical, structural, and descriptive methods, enabling him to examine Urdu not merely as a literary medium but as a living and evolving language. His later works, including Dastan-e-Zaban-e-Urdu, Linguistic Issues, and Urdu Linguistics, further strengthened his position as a leading authority in the field. These books addressed phonology, morphology, syntax, and semantic development, offering systematic explanations of linguistic principles relevant to Urdu. Due to his sustained scholarly output and methodological rigor, Shaukat Sabzwari came to be widely regarded as a pioneering linguist of Urdu. In recognition of his invaluable services to Urdu linguistics, he was honored with prestigious awards, including the Daudabi Inam, which further affirmed his lasting academic legacy.

https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/179

تلخیص:

شوکت سبزواری اردو کے ممتاز ماہرِ لسانیات، نقاد اور محقق تھے، جنھوں نے اردو لسانیات، قواعدِ اردو اور اردو زبان کے ارتقا کے حوالے سے اردو دنیا میں نمایاں شہرت حاصل کی۔ لسانیات کے میدان میں ان کی وابستگی، علمی شغف اور گہری بصیرت کا اظہار اُس وقت ہوا جب ان کا تحقیقی مقالہ ''ارتقائے زبانِ اردو'' شائع ہوا، جو دراصل 1956ء میں جامعہ ڈھاکہ سے پیش کیا گیا ایک ڈاکٹریٹ مقالہ تھا۔ اگرچہ یہ تصنیف پی ایچ ڈی تحقیق کے طور پر لکھی گئی تھی تاہم اس میں پیش کیے گئے لسانی مباحث کی جامعیت اور تحقیقی اہمیت نے اسے اردو لسانیات کی بنیادی کتابوں میں شامل کر دیا۔ شوکت سبزواری نے اردو زبان کا مطالعہ محض ادبی زاویے سے نہیں بلکہ ایک زندہ اور مسلسل ارتقا پذیر زبان کے طور پر کیا۔ ان کی تصانیف ''داستانِ زبانِ اردو''، ''لسانی مسائل'' اور ''لسانیاتِ اردو'' کی اشاعت نے انھیں ایک مستند ماہرِ لسانیات کے طور پر منوا دیا۔ ان کتابوں میں صوتیات، صرفیات، نحوی ساخت اور معنوی ارتقا جیسے اہم لسانی پہلوؤں پر مدلل اور منظم بحث کی گئی ہے۔ اردو لسانیات کے فروغ میں ان کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں انھیں دادِ ادبی انعام سمیت متعدد اعزازات سے نوازا گیا جو ان کی علمی حیثیت اور مستقل اہمیت کا واضح ثبوت ہیں۔

ہمارے ہاں چند ہی لوگ تھے جب صحیح معنوں میں ماہر لسانیات تھے اور انھوں نے تاریخی اور تشریحی لسانیات کا باقاعدہ مطالعہ کیا تھا یا ترتیب کی تھی۔ لسانیات کی تشریح اور تاریخ سے متعلق اہم کردار ادا کرنے والوں میں سید محی الدین قادری مسعود حسین خان، شوکت سبزواری اور گیان چند جین وغیرہ قابل ذکر ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے پیش کیے ہوئے لسانیاتی نظریات کارآمد بھی ثابت ہوئے اور ان پر وقت کی دھول نہیں پڑی ورنہ لسانیات کے نام پر لکھا گیا بہت سا رطب و یابس وقت کی آندھی اڑا لے گئی۔ انہی چند لوگوں کی وجہ سے براعظم پاک و ہند کی تمام اسانی و لسانیاتی تحقیق کے میدان میں اردو سب سے آگے تھی۔

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں محی الدین قادری زور کی اسانی تحقیق سائنسی بنیادوں پر استوار تھی اور اس وقت تک ہندی میں لسانیات پر بہت کم کام سائنسی انداز میں ہوا تھا۔ افسوس کہ آزادی کے بعد ہمارے ہاں لسانیات کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا اور یونیورسٹیوں میں شعبہ ہائے اردو کو ہی لسانیات کی تدریس کی ذمہ داری دے دی گئی۔ شعبہ ہائے اردو کے سربراہان بہت محترم ہیں لیکن شعبہ اردو کی سربراہی کوئی ادبی شخصیت یا ادب کا عالم کر رہا ہوتا ہے جبکہ لسانیات ایک الگ علم ہے۔ موجودہ دور میں اسے زبان کا سائنسی مطالعہ سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں آزادی کے فوراً بعد لسانیات اور اس کی تدریس کی طرف توجہ دی گئی اور وہاں کئی ادارے خالصتاً لسانیات کی تعلیم کے قائم کیے گئے اور ہمارے ہاں لشکری زبان پنجاب میں اردو" اور " دکن میں اردو" جیسے غلط نظریات کو لسانیات کی معراج

سمجھ لیا گیا۔ آج پاکستان کی صرف چند سرکاری یونیورسٹیوں میں لسانیات کا باقاعدہ شعبہ قائم ہے باقی جامعات میں شعبہ اردو یا شعبہ انگریزی لسانیات کے ذمہ دار ہیں۔ اردو والے لسانیات کو الفاظ محاورات کے درست استعمال تک یا اردو زبان کے آغاز کے نظریات تک محدود سمجھتے ہیں اور انگریزی والے ایم اے انگریزی اور ایم میں لسانیات کے نام پر تدریس انگریزی کے کورس پڑھا رہے جو کالجوں کے لیے انگریزی کے استاد پیدا کر سکتا ہے۔ وہاں اگر لسانیات پڑھائی بھی جاتی تو انگریزی زبان کی حد تک اردو کے مصوتوں (vowels) اور مضموں (consonants) تک سے انگریزی لسانیات کا طالب علم واقف نہیں ہوتا۔ ادھر ہندوستان میں خالص لسانیات اور ہندی لسانیات پر اتنا کام ہوا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اردو والوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔

پاکستان کے معدودے چند ماہرین لسانیات میں ڈاکٹر شوکت سبزواری میں شامل تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم اگرچہ مدرسے سے ہوئی تھی لیکن اس نے شوکت سبزواری زبانوں کے علم سے دلچسپی اور مہارت پیدا کر دی انھوں نے اردو زبان کی تاریخ سے متعلق بیش بہا تحقیقی کام کیا۔

سید شوکت علی نام تھا لیکن شوکت سبزواری کے نام سے لکھا اور اسی نام سے معروف ہوئے۔ سبزواری لکھنے کی وجہ تسمیہ یوں تھی:

> "ان کے آباؤ اجداد مغلیہ دور میں سبزوار (ایران) سے ہجرت کر کے برصغیر پاک و ہند میں آئے تھے اور بلند کے قریب مرزاپور میں آباد ہوئے۔۔۔بعد ازاں ان کے دادا سید نیاز علی مرزاپور سے میرٹھ منتقل ہو گئے"۔(1)

شوکت سبزواری کی تاریخ پیدائش کے ضمن میں اختلاف ہے۔مالک رام نے لکھا ہے:

> "شوکت سبزواری کا سال پیدائش بالعموم ۱۹۰۸ء بتایا جاتا ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے"۔(2)

مالک رام نے یہ نہیں بتایا کہ وہ قرائن قیاس کیا ہیں؟ البتہ خود شوکت سبزواری نے اپنی جائے پیدائش اور مقام پیدائش کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں مغربی یوپی کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوا۔"(3) لیکن ان کی تاریخ پیدائش جس یادداشت میں لکھی گئی ہاں وہ ضائع ہو گئی تھی وہ ضائع ہو گئی اور بقول خود ان کے "میں نے قرائن سے اپنی پیدائش کا سن ۱۹۰۸ء متعین کیا ہے۔"(4)

گویا مالک رام کا اندازہ درست نہیں ہے اور خود شوکت سبزواری صاحب کی متعینہ تاریخ پیدائش کو درست ماننا قرائن قیاس ہو گا۔ مالک رام نے لکھا ہے:

> "شوکت سبزواری کے والد سید اسد علی نے اپنے بڑے بیٹے حشمت علی کو سکول میں داخل کروایا لیکن وہ کئی سال تک میٹرک میں فیل ہونے کے بعد بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ اسد علی نے اس بچے کو انگریزی پڑھوانے کا وبال سمجھا اور طے کیا کہ آپ کسی بیٹے کو تعلیم نہیں دلوائی۔ لہذا شوکت سبزواری خاصے عرصے تک تعلیم سے دور رہے"۔(5)

شوکت سبزواری ۱۹۳۰ء میں مدرسہ عالیہ میرٹھ میں فارسی اور اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ اسی دوران میں ایک آریہ سماجی ادارے کی طرف سے کہلوایا گیا۔ ایک اہم عیسائیوں اور مسلمانوں سے مناظرہ کرتے ہیں آپ لوگ بھی آئے۔ لیکن مدرسے کے منتظم مناظروں کو تثنیہ کار سمجھتے تھے۔ اس لیے دعوت کو قبول نہیں کیا گیا البتہ شوکت سبزواری نے اسے چیلنج سمجھ کر ذاتی طور پر قبول کر لیا اس مناظرے میں بقول ان کے:

"نو آموز ہونے کے باوجود دو گھنٹے تک پنڈت جی سے بحث کرتے رہے بالآخر پنڈت جی نے انہیں بہت سراہا"۔(6)

"لیکن مالک رام نے اس مناظرے کا نتیجہ یہ یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔ [7] قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس مناظرے کا ایک اہم نتیجہ نکلا اور یہ کہ شوکت سبزواری کو احساس ہوا کہ جب تک ہندی اور سنسکرت کا باقاعدہ مطالعہ نہ ہو، مناظرہ کرنا مناسب نہیں چنانچہ اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں:

"انھوں نے ایک پنڈت سے باقاعدہ منسکرت زبان کے سبق لیے اور ہنود کے مذہبی متون انہی کی زبان میں مطالعے کیئے"۔(8)

اس طرح انہیں سنسکرت پر بھی عبور حاصل ہو گیا جو بعد میں لسانی تحقیق اور بالخصوص اردو کے آغاز کے ضمن میں پراکتوں کے کردار کے مطالعے میں ان کے بڑے کام آیا۔

شوکت سبزواری ہمیشہ سے اسلامی ذہن کے حامل تھے اور پاکستان آنے کے بعد اسلامی ادب کی تحریک اور پاکستان ادب کی تحریک کے بھی اہم رکن رہے۔ ان کی کئی تحریروں سے ظاہر ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔ مثلاً:

"ان کی کتاب 'معیار ادب میں ان کا مضمون 'اسلامی ادب پڑھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کانگریس کے حامی اور قیام پاکستان کے خلاف تھے۔ اس مضمون میں انھوں نے فراق گورکھ پوری کی اس تحریر پر شدید تنقید کی جس میں فراق نے ہندوستان اور پاکستان کی مشترک تہذیب و تمدن اور اکھنڈ انسانیت کے خلاف بات کی تھی۔ ان کے کئی اور مضمون بھی بھی رنگ جھلکتا ہے۔"(9)

اسی کتاب میں شامل ان کے ایک مضمون کا عنوان ہے "اقبال اور اسلام کے اولین اصول" مالک رام کی نظر سے یہ کتاب غالباً نہیں گزری تھی ورنہ وہ شوکت سبزواری کو کانگریس کا حامی نہ لکھتے۔

شوکت سبزواری ڈھاکہ یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو جنسے پہلے عندلیب شادانی وہاں ڈین فیکلٹی آف آرٹس تھے اور ان کے جانے کے بعد بھی رہے۔ وہ وہاں پر اردو اور فارسی کے استاد تھے لیکن ان کی سنسکرت اور پراکرت زبانوں پر بھی گہری نظر تھی۔ مالک رام لکھتے ہیں:

"سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ اور ان کی تاریخ اور اشتقاق پر ان کی جیسی نظر تھی۔ اس لحاظ سے یہ انہی کو سجتا تھا۔ بہر حال شوکت سبزواری بورڈ میں مدیر اول تھے اور ۱۹۶۴ء سے اپنے انتقال ۱۹۷۳ء تک

> مدیر اول تو منصب پر فائز ہے نہ کہ مدیر اعلی کے عہدے پر ان کے بعد ۱۹۷۵ء میں نسیم امروہی اس عہدے پر فائز ہوئے۔ بورڈ کے نقش 'اردو نامہ' کے شمارے اس کے گواہ ہیں اور بورڈ کی لغت کی جلد میں بھی، لغت کی ساتویں جلد سے مدیر اول شوکت سبزواری (مرحوم) بورڈ کی لغت کی تمام جلدوں پر لکھا جاتا رہا ہے۔ ساتھ ہی مدیر اعلیٰ کا عہدہ اور نام الگ سے لکھا جاتا رہا ہے۔ اس کے بعد انہیں مدیر اعلی قرار دینے کا کیا جواز رہ ہے؟(10)

ان کی لغت کی پہلی جلد ۱۹۷۷ء میں یعنی شوکت سبزواری کے انتقال کے بعد ہی شائع ہوئی۔ لیکن آٹھ جلدیں مکمل ہونے کی بات متنازعہ ہے اور اس بات کا کوئی حتمی ثبوت نہیں ہے کہ اس وقت تک کتنی جلد میں مکمل ہو چکی تھیں۔ نیز اشاعت مگر تیار جلدوں پر بھی خاص تنقید و تحقیق کے بعد بہت زیادہ اضافے اور کئی طرح کی ترامیم ہوتی رہیں۔ لہذا اکمل کہنا بھی درست نہیں ہے۔ شوکت سبزواری نے ڈھاکہ یونیورسٹی میں تدریس کے ساتھ پی ایچ ڈی کے مقالے پر کام شروع کیا جس کی تیاری وہ پہلے سے کر رہے تھے اور ۱۹۵۲ء میں انہیں ڈھاکہ یونیورسٹی کے جانب ان کے مقالہ اردو زبان کا ارتقاء پر سند دی گئی۔ یہ مقالہ ڈھاکہ سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

جب ۱۹۵۸ء میں کراچی میں ترقی اردو بورڈ جس کا نام بعد ازاں اردو لغت بورڈ کر دیا گیا۔ جب یہ قائم ہوا تو اس کے مدیر اعلیٰ بابائے اردو مولوی عبدالحق تھے۔ بعد میں ادارتی عملے میں جو لوگ بورڈ میں منتخب ہوئے ان میں شوکت سبزواری بھی تھے چنانچہ وہ ڈھاکہ یونیورسٹی سے استعفادے کر کراچی آگئے اور بورڈ کے ادارتی عملہ میں شامل ہو گئے۔ مالک رام سے یہاں پر ایک غلطی ہوئی ہے انھوں نے لکھا ہے:

> "1961ء میں مولوی عبدالحق کی وفات کے بعد سارے کاموں کی ذمہ داری شوکت صاحب کے کندھوں پر آپڑی۔ مدیر اعلیٰ بنا دیے گئے اور وہ آخر تک اس عہدے پر متمکن رہے۔"(11)

حقیقت یہ ہے کہ شوکت سبزواری اردو لغت میں بھی بھی مدیر اعلیٰ نہیں رہے۔ کام کی ساری ذمہ داری ان پر نہیں شان الحق حقی پر تھی جو بورڈ کے سیکرٹری تھے اور بابائے اردو مولوی عبدالحق کے بعد معتمد کی ذمہ داری کے ساتھ عملاً بورڈ کے مدیر اعلیٰ کے فرائض بھی ادا کرتے رہے۔ حقی صاحب استعفیٰ دینے (۱۹۷۴ء) تک اس عہدے پر رہے اور شوکت سبزواری آخر تک یعنی اپنے انتقال (۱۹۷۳) تک مدیر اول ہی رہے۔ ممتاز حسن صاحب بورڈ کے صدر تھے لیکن ظاہر ہے کہ ان کی سرکاری منصبی ذمہ داریاں ان کی پابندی سے بورڈ کے دفتر آنے میں مانع تھیں۔ ممتاز حسین صاحب بورڈ کے دفتر آتے ضرور تھے لیکن بیشتر اختیارات حقی صاحب کے پاس تھے۔ حقی نے کئی سال تک بلا معاوضہ بورڈ کی خدمت کی۔ حقی صاحب کے معتمد ہوتے ہوئے بورڈ میں کوئی اور نہ مدیر اعلیٰ تھا اور نہ ہی مدیر اعلیٰ کی ذمہ داریاں ادا کرتا تھا۔

در حقیقت اگر بورڈ کو حقی صاحب جیسا دانش مند اور ماہر زبان اور لغت کا شیدائی نہ ملتا تو لغت کے اس عظیم منصوبے کا کام آگے چلنا بہت مشکل ہوتا۔ اگرچہ شوکت سبزواری کی مہارت اور اہلیت میں بھی کوئی شبہ نہیں بے شک حقی صاحب کے ساتھ بڑی تعداد میں اہل قلم اور اہل علم تھے۔ انھوں نے بطور بیرونی اسکالر بورڈ کے کاموں میں ان کی مدد کی۔ شوکت سبزواری بورڈ کے باقاعدہ ملازم تھے اور ان کے ذمہ بنیادی طور پر لفظوں کا اشتقاق لکھنا تھا۔

شوکت سبزواری کی اصل شہرت ان کے لسانی کاموں کی بنا پر ہے۔ اس سلسلے میں ان کا پہلا کام ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو "اردو زبان کا ارتقاء" کے عنوان سے ڈھاکہ سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اردو مسلمانوں کی ساختہ نہ ہے پرداختہ ضرور ہے اور یہ سمجھنا درست نہیں کہ مسلمانوں کی ہندوستان آمد سے پہلے اردو کا وجود ہی نہ تھا۔ نیز یہ خیال بھی غلط ہے کہ اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول سے پیدا ہوئی۔ البتہ اردو اور برعظیم پاک و ہند کی کئی زبانوں کا تہذیب و تمدن کا سرمایہ مسلمانوں کا عطا کردہ ہے۔ تاریخی لسانیات کی بحثوں میں بالعموم سنسکرت کے بعد شورسینی اور پراکرت کا ذکر ہوتا تھا اور پھر بتایا جاتا تھا کہ یہ پراکرت کے ارتقا پاکر اپ بھرنش بن گئی۔ پھر ان سے مختلف زبانیں اور بولیاں مثلاً پنجابی، راجستھانی، برج بھاشا اور کھڑی بولی مظاہرہ بنی۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ آپ بھرنش کا ایک روپ مغربی ہندی تھی اور اس سے بولیاں نکلیں تھیں مثلاً کھڑی بولی، ہریانی، قنوجی بولی اور برج بھاشا وغیرہ۔ شوکت سبزواری نے اس مقالے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے مغربی ہندی کا کوئی وجود نہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

> "یہ ایک طرح سے فرضی اور خیالی زبان ہے۔ دوسرا یہ کہ انھوں نے لکھا کہ اردو کی صرفی اور نحوی خصوصیات سے اندازہ ہوتا ہے اردو کا ماخذ شورسینی پراکرت یا آپ بھرنش نہیں ہے"۔(12)

ان کا خیال تھا:

> "اردو قدیم ویدک بولیوں میں سے ایک ہے۔ پالی بھی اس کی ترقی یافتہ شکل ہے اور اردو اور پالی کا منبع ایک ہی ہے۔"(13)

ان کے مقالے کے بعض مندرجات سے بعض لوگوں کو مطالعہ ہوا کہ شوکت سبزواری اردو کی ابتدا پالی، پراکرت سے جوڑ رہے ہیں اور پالی کو اردو کا منبع قرار دے رہے ہیں لیکن یہ خیال درست نہیں تھا۔ اردو کی تاریخ پر اپنی دوسری کتاب داستان زبان اردو میں شوکت سبزواری صاحب نے اپنے ان لسانی نظریات کو واضح کیا جو اردو کی ابتدا سے متعلق تھے اور ان کی بنیاد تاریخی، لسانیت کا گہرا مطالعہ اور سنسکرت سے واقفیت تھی۔ اس میں انھوں نے نہ صرف اردو کے آغاز سے متعلق بعض نظریات کو رد کیا بلکہ بڑی وضاحت سے اردو کا ماخذ بھی بتایا۔

انھوں نے محمد حسین آزاد کے اس نظریے کو رد کیا کہ اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔ انھوں نے اس غلط خیال کو بھی مسترد کر دیا کہ اردو لشکری زبان ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ نظریہ بھی غلط ہے اردو مختلف زبان و مثلاً پراکرت اور عربی فارسی وغیرہ کے ملنے سے بنی ہے۔ انھوں نے واضح کیا کہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو دو یا زیادہ زبانوں سے مل کر بنی ہو کیونکہ کوئی زبان آس پاس کی

بولیوں سے توانائی اور ذخیرہ الفاظ تو لے سکتی ہے لیکن کسی اور زبان سے مل کر نئی زبان نہیں بن سکتی۔ زبان کے بننے میں صدیاں لگتی ہیں اور کسی خاص بولی کے ارتقاء کے بعد وہ زبان بنتی ہے۔ گو اس کی اپنی صرفی اور نحوی خصوصیات بھی بڑی حد تک برقرار رہتی ہیں انھوں نے اس نظریے کو بھی دلائل کے ساتھ بیان کیا وہ لکھتے ہیں کہ "اردو پنجابی سے نکلی ہے"۔[14]

"داستان زبان اردو" میں شوکت سبزواری لکھتے ہیں کہ اردو اُس کھڑی بولی سے ارتقا پا کر بنی ہے جو گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں دہلی اور میرٹھ کے مضافات میں بولی جاتی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ کھڑی بولی کا آغاز مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہو گیا تھا گویا مسلمانوں کی آمد سے پہلے بھی بولی جاتی تھی۔ البتہ مسلمانوں کی آمد کے بعد اس میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں اور اس نے مختلف بولیوں اور زبانوں سے ذخیرہ الفاظ لیا۔ لیکن اس کی بنیادی صرف و نحوی خصوصیات وہی رہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اردو کے ارتقا میں سے مغربی ہندی کو نکال دینا چاہیے اور اردو اور پراکرت کے درمیانی کڑی اپ بھرنش ہے بعد میں گیان چند جین نے بھی شوکت سبزواری کے نظریے سے بڑی حد تک اتفاق کیا اور وہ بھی اردو کی ابتدا کھڑی بولی سے مانتے ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ کھڑی بولی کے آغاز کی منزل اور اس میں عربی، فارسی الفاظ کے مشمول کے مرحلے پر غور کرنا چاہیے۔

اس ضمن میں مسعود حسین کا نظریہ کہ اردو دہلی اور اس کے مضافات کی بولیوں کی ترقی یافتہ شکل ہے بھی قابل قبول اور قابل غور ہے۔ البتہ اس میں مسعود حسین نے کچھ ترمیم بھی کی ہیں۔ پہلے ان کا خیال تھا کہ دہلی کے نواح کی بولیوں بالخصوص ہریانی کے براہ راست اثرات سے ارتقا پا کر اردو بنی اور اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات پڑے لیکن ۱۹۸۷ء کے بعد ان کا نظریہ تبدیل ہو گیا اور انھوں نے ہریانی کی بجائے کھڑی بولی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا:

> "اردو کی تشکیل براہ راست کھڑی بولی اور ہریانوی کے زیر اثر ہوئی۔ اس کتاب کے ۱۹۸۷ء کے بعد چھپنے والا ایڈیشن میں یہ تبدیلی نظر آتی ہے۔ اس کی تفصیل مرزا خلیل بیگ نے اپنی کتاب اردو کی لسانی تشکیل میں دی ہے"۔(15)

مسعود حسن خان جیسے لسانیات اور گیان چند جین جیسے عالم فاضل نے بھی اس امر کا اعتراف کیا کہ "شوکت سبزواری کا نظریہ کہ اردو کھڑی بولی کی ترقی یافتہ شکل ہے درست ہے۔"[16]

مسعود حسن کو اپنے مقالے میں جس پر انہیں پی ایچ ڈی ملی تھی کوئی ۴۰ سال کے بعد ترمیم کرنی پڑی۔ اس نظریے کو سب سے پہلے شوکت سبزواری نے ہی پیش کیا تھا۔ اس سے بڑا عملی اخراج تحسین شوکت سبزواری کے لیے اور کیا ہو گا؟ شوکت سبزواری لسانیات پر ایک اور اہم کتاب اردو لسانیات ہے۔ اس پر انھوں نے اردو کی اصل اور اس کی ابتدا اور ارتقا کے علاوہ اردو کی صرفی و نحوی اور صوتیاتی خصوصیات بھی تاریخی تناظر میں بیان کی ہے۔ اس میں انھوں نے اردو کی ہائیڈ یعنی الگ آوازوں پر بھی بحث کی ہے جو دو چشمی ھ سے لکھی جاتی ہے۔ انھوں نے بتایا:

> "یہ ہائیڈ آوازیں اصل میں ایک صوتیہ یا ایک آواز ہیں اور گھر بھر جیسے الفاظ میں جو ہائیڈ آوازیں ہیں ان کی بنا پر ان کا املاء گ اور اور بہرہ ہے اور ان کو توڑ کر لکھتے وقت خیال کرنا چاہیے کہ یہ خلوط آواز میں یا مخلوط صوتیے ہیں۔"(17)

لیکن افسوس کہ آج اس کتاب کی اشاعت کے ۵۰ سال بعد بھی ہمارے سکولوں میں حروف توڑیے اور حروف جوڑ لیے پڑھاتے وقت ان بائیڈ آوازوں کا غلط املا بچوں کو پڑھایا جارہا ہے۔ حالانکہ اس طرح یعنی (گھ اور بھ) کی بجائے گ۔ہ۔ اور بہ لکھنے سے ان کا تلفظ گھر اور بھر کی بجائے گہر اور بہر ہو جاتا ہے:

> "لسانی مسائل شوکت سبز واری کی وہ کتاب ہے جس میں لسانیات اور پھر زبان کی ساخت خصوصیات پر اہم مضامین ملتے ہیں۔ ان میں وہ داد تحقیق دیتے نظر آتے ہیں مثلاً ایک مضمون میں لفظ باورچی کی اصل پر عالمانہ انداز میں روشنی ڈالتے ہیں"۔(18)

افسوس کہ اردو قواعد پر ان کی کتاب ادھوری رہ گئی اور اسی نامکمل حالت میں چھپیا گر یہ مکمل ہوتی تو شاید نہیں اردو قواعد لکھے جانے کے لیے انقلابی محرک ثابت ہوتی۔ کیونکہ اردو واعراب تبدیلیوں کی متقاضی ہے تاکہ فارسی اور عربی کے قواعد کے نتیج میں لکھی گئی روایتی اردو قواعد کو بہتر اور وقت سے ہم آہنگ بنایا جاسکتا ہے۔ شوکت سبز واری کا کراچی میں 9 مارچ ۱۹۷۳ء کو انتقال ہوا ۔ آج ان کے انتقال کے تقریبا ۵ سال بعد بھی ان کی لسانی تحقیق اور لسانیات کے ضمن میں ان کے بعض نظریات اہمیت کے حامل ہیں اور ان سے آج بھی روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔

حوالہ جات

1. مالک رام، تذکرہ معاصرین، جلد دوم (دیلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۴ء)، ۱۳۵۔
2. مالک رام، تذکرہ معاصرین، ۱۳۵۔
3. شوکت سبز واری، لاہور: نقوش، آپ بیتی نمبر، جلد دوم، جون ۱۹۶۴، ۱۱۵۰۔
4. ایضاً
5. مالک رام تذکرہ معاصرین، جلد دوم (دہلی: مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۴ء)، ۱۳۶۔
6. شوکت سبز واری، لاہور: نقوش، ۱۱۵۴۔
7. مالک رام تذکرہ معاصرین، ۱۴۱۔

8. ایضاً
9. شوکت سبزواری، معیار ادب (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۶۱ء)، 76۔
10. مالک رام تذکرہ معاصرین، ۱۴۲۔
11. ایضاً، ۱۴۳۔
12. شوکت سبزواری، اردو زبان کا ارتقا (ڈھاکہ: پاک کتاب گھر ۱۹۵۶ء)، ۸۲۔
13. شوکت سبزواری، اردو زبان کا ارتقا، ۸۴۔
14. ایضاً، ۶۷۔
15. مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل (کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۵ء)، ۴۴، ۴۶۔
16. گیان چند، ڈاکٹر، لسانی مطالعے، اشاعت سوم (دہلی: ترقی اردو بیور، 1991ء)، 104۔
17. شوکت سبزواری، اردو لسانیات (کراچی: مکتب تخلیق ادب، ۱۹۶۶ء)، ۵۷۔
18. شوکت سبزواری، لسانی مسائل (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۶۲ء)، 87۔

References in Roman Script

1. Malik Ram, Tazkira-e-Mu‘asirin, Jild Doyam (Dilli: Maktaba-e-Jamia, 1974), 135.
2. Malik Ram, Tazkira-e-Mu‘asirin, 135.
3. Shaukat Sabzwari, Nuqoosh, Lahore: Aap Beeti Number, Jild Doyam, June 1964, 1150.
4. Ibid.
5. Malik Ram, Tazkira-e-Mu‘asirin, Jild Doyam (Dilli: Maktaba-e-Jamia Dilli, 1974), 136.
6. Shaukat Sabzwari, Nuqoosh, Lahore, 1154.
7. Malik Ram, Tazkira-e-Mu‘asirin, 141.
8. Ibid.
9. Shaukat Sabzwari, Mayar-e-Adab (Karachi: Maktaba-e-Asloob, 1961), 76.
10. Malik Ram, Tazkira-e-Mu‘asirin, 142.
11. Ibid, 143.
12. Shaukat Sabzwari, Urdu Zaban ka Irtiqa (Dhaka: Pak Kitab Ghar, 1956), 82.
13. Shaukat Sabzwari, Urdu Zaban ka Irtiqa, 84.
14. Ibid, 67.

15. Mirza Khalil Ahmad Baig, Urdu ki Lisani Tashkeel (Karachi: Idara-e-Yadgar-e-Ghalib, 2015), 44, 46.
16. Gyan Chand, Dr., Lisani Mutali‘e, Isha‘at-e-Soom (Dilli: Taraqqi Urdu Bureau, 1991), 104.
17. Shaukat Sabzwari, Urdu Lisaniyat (Karachi: Maktab-e-Takhleeq-e-Adab, 1966), 57.
18. Shaukat Sabzwari, Lisani Masail (Karachi: Maktaba-e-Asloob, 1962), 87.